احسان الٰہی ظہیر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند وصیتیں

وصیّت کی بلندی اور رفعت کا اندازہ کرنے کے لیے وصیّت کرنے والے کی شخصیت کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس درجہ و مرتبہ کی ہے اور پھر وہ جس کو وصیّت کر رہا ہے اس کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ وصیت کرنے والا بہت بڑا انسان ہوتا ہے لیکن جس کو وہ وصیت کرتا ہے اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق و رابطہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ وصیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اسے عمومی باتوں کے سوا کچھ نہیں سمجھتا ــــــــــ اور اگر وصیت کرنے والا ایک عام آدمی سے کچھ بڑھ کر ہو اور دوسرے کے ساتھ اس کا ربط و ضبط بھی ہو تو اس کی بات کو ذرا دھیان سے سنا جاتا ہے۔ جوں جوں یہ خصوصیّت بڑھتی جاتی ہے۔ وصیت کے امتیاز اور اہمیّت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اسی لیے کسی حکیم یا فلسفی کی وصیّت کو بڑا مقام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک تو اس کی ذات ممتاز حیثیّت کی مالک ہوتی ہے۔ دوسری اس کی انسان دوستی اور خلق سے محبت بھی ایک لازمی شے قرار دی جاتی ہے۔ اگر وصیت کرنے والا "نبی" ہو تو اس کی قدر و منزلت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیونکہ نبی امت کا سب سے بڑا خیر خواہ ہوتا ہے اور اس کی اپنی شان و بلندی کی تو بات ہی کیا۔ اور جب وصیت کرنے والی ذات وہ ہستی مقدس ہو جس کے بارہ میں رب العزت ارشاد فرماتے

ہیں:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

تم میں ایک ایسا رسولؐ آیا جو تم ہی میں سے ہے جس پر تمہارا مصیبت میں گرفتار ہونا شاق گزرتا ہے، جو تمہاری بھلائیوں کا انتہائی خواہش مند ہے۔ مسلمانوں کے لیے شفیق اور مہربان ہے۔

تب ایسی مقدس اور پیاری ہستی کی وصیت کی قدر و قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ چنانچہ غور کیجئے کہ آپ نے اپنے وصایا میں اپنی امت کا کس قدر خیال رکھا اور انہیں کس طرح برائیوں سے دور اور اچھائیوں کے قریب کیا۔

بیہقی۔ مسند احمد، طبرانی، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں مروی ہے:۔

عن ابي ذر رضى الله عنه قال: قلت يا رسول الله اوصنى، قال: اوصيك بتقوى الله فانه ازين لامرك كله، قلت زدنى، قال: عليك بتلاوة القرآن وذكر الله فانه ذكر لك فى السماء ونور لك فى الارض، قلت زدنى، قال: عليك بطول الصمت فانه مطردة للشيطان وعون لك على امر دينك، قلت زدنى، قال: اياك وكثرة الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب وتذهب بنور الوجه، قلت زدنى، قال: قل الحق ولو كان مرا، قلت زدنى، قال: لا تخف فى الله لومة لائم، قلت زدنى، قال: ليحجزك عن الناس ما تعلم من نفسك. واللفظ لحاكم وقال صحيح الاسناد

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول عربی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں گزارش کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے وصیت فرمایئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیوں کہ وہ تمہارے تمام معاملات کو

سنوار دے گا"

حضرت ابو ذرؓ نے گزارش کی، اور اس کے علاوہ :

آپ نے ارشاد فرمایا :-

" قرآن حکیم کی تلاوت کیا کرو اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہا کرو۔ یہ آسمانوں میں تمہاری شہرت کا باعث بنے گا اور زمین میں تمہارے لیے نور ہو گا"

ابو ذرؓ نے کہا، اور اللہ کے رسولؐ!

آپ نے ارشاد فرمایا :-

" زیادہ خاموش رہا کرو، یہ بات شیطان کو بھگا دے گی اور تمہارے دینی امور میں معاون ثابت ہو گی"

عرض کیا، کچھ اور یا رسول اللہؐ!

فرمایا :-

" زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور چہرے کے نور کو ختم کر دیتا ہے"

ابو ذرؓ نے اور زیادہ کی درخواست کی تو،

ارشاد فرمایا :-

" سچ کہو اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو"

اور طالب ہوئے تو

فرمایا :-

" خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہاری راہ میں حائل نہیں ہونی چاہیے"

اور آخر میں فرمایا :-

" لوگوں کو اس بات پر ملامت نہ کرو جو خود تم میں موجود ہو"

اگر ایک ایک لفظ کی وضاحت کی جائے تو ایک کتاب مرتب ہو جائے۔ کس پیار سے ا

خوبصورت انداز میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ پہلے وصیت فرمائی اور پھر اس کی علت واضح فرمائی کہ اس سے یہ فائدہ مرتب ہوگا۔ اور اس سے ان ان نقصانات سے بچاؤ ہوگا اور جب ان فوائد کو حاصل کر لیا گیا اور ان مضرات سے گریز اختیار کیا گیا تو کامیابی و کامرانی ایک لازمی امر ہے اور یہ کامیابی صرف آخرت میں ہی موقوف نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کا اثر ضرور مرتب ہوگا۔

مختصراً آپ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت، فراست اور بصیرت سے ان وصیتوں کو دو قسموں میں منقسم رکھا۔ ایک جن کا تعلق اور نتیجہ صرف آخرت میں ظہور پذیر ہوگا۔ دوسری قسم، جن کے نتائج اور فوائد اس دنیا سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

پہلے فرمایا، اللہ سے ڈرو! کیونکہ آخرت کا مدار صرف اسی پر ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

اور ایک مقام پر فرمایا کہ:۔

"قرآن میں تقوے اختیار کرنے والوں ہی کے لیے ہدایت ہے۔ وہ جو غائب پر ایمان لاتے ہیں اور نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"یعنی یہی لوگ ہیں راہِ راست پر۔ اور یہی فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہونے والے ہیں۔"

رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث بالا میں اسی بات کا ذکر کیا کہ جب خدا کا خوف ہوگا تمام امور سدھر جائیں گے۔ کیونکہ ہر کام کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کہیں یہ اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں؟

جب یہ بات پیش نظر رہے گی تو گناہ کا امکان ختم ہو جائے گا اور جب گناہ نہیں ہوگا تو کسی چیز کا خطرہ ہی نہیں رہے گا۔

علاوہ ازیں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ وہ کون سے اعمال و افعال ہیں جن سے اللہ راضی ہو جائے اور جب جی میں یہ خیال پیدا ہو جائے گا تو ان افعال کے اکتساب کی کوشش کی جائے گی جن سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور یہی تو چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تذکرہ فرمایا

ہے:-

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ

کہ اللہ کی رضا بہت بڑی بات ہے۔

اور ساتھ ہی فرمایا:۔

وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

اور یہ ہے بہت بڑی کامیابی۔

اسی طرح دوسری وصیت بھی اسی قبیل سے ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

" قرآنِ حکیم کی تلاوت کیا کرو اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہا کرو۔ کیونکہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں اور آدمی صاحبِ کلام کے قریب ہوجاتا ہے۔"

ایک امام سے مروی ہے کہ:۔

" میرا جب جی چاہتا ہے کہ میں رب العزت سے باتیں کروں تو میں نماز میں کھڑا ہوجاتا ہوں اور جب میرا دل یہ چاہتا ہے کہ قدوس وہیمن میرے ساتھ باتیں کرے تو میں قرآن حکیم کھول کر بیٹھ جاتا ہوں۔"

کتنا پیارا اور صحیح نقشہ ہے کہ جب اپنا دل باتیں کرنے کو چاہے تو نماز میں کھڑا ہوجائے اس طرح جیسا کہ آقائے کائنات نے فرمایا:۔

واعبد ربك كانك تراه

تو اس طرح بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو گویا کہ ربّ ذوالجلال کو دیکھ رہا ہے۔

اور پھر اس حالت میں انسان کہے:۔

" جزا و سزا کے مالک! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے طالبِ مدد ہیں۔ ہمیں راہِ مستقیم دکھا ان کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ ان کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کی راہ جو گمراہ ہوئے۔

اور ایک روایت ہے:۔

کانك تناجی ربك

گویا کہ تم اپنے مالک سے سرگوشیاں کر رہے ہو۔
اور جب خواہش ہو کہ مالکِ کون ومکان ہمارے ساتھ باتیں کرے، تو اس کا کلام کھول لے اس احساس کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ خود اس سے مخاطب ہے۔

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا جنہوں نے عظیم الشان عمارتیں بنائیں۔ جن کی مثال نہیں ملتی اور ثمودیوں کا کیا حشر ہوا جنہوں نے پہاڑوں کو تراش کر رکھ دیا اور فرعون کا انجام کیا ہوا جس نے سرکشی کی۔"

اور جب یہ حالت ہو تو انسان اپنے رب کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ؟ آپؐ نے فرمایا:
"کہ آسمانوں میں اس کا چرچا ہوتا ہے اور زمین پر اس کے لیے نور۔"

جیسا کہ حدیث قدسی ہے:۔
"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی خدا کے تقرب کے حصول میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ وہ اللہ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے، اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ رب العزت فرماتے ہیں۔ پھر میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔" الیٰ آخرہ

نیز حدیث شریف میں ہے:۔
"جس سے اللہ کو محبت ہو جاتی ہے تو اس کے متعلق ملائکہ کو باری تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے اس بندے سے محبت ہے، تم بھی اس سے محبت کرو اور دنیا میں بھی اس کے لیے عزت واحترام کو نازل کیا جاتا ہے۔"

اور ذکرِ الٰہی کے متعلق تو خود قرآن حکیم میں صراحت کی گئی:
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔)

اور یہی معنی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"آسمانوں پر اس کے تذکرے ہوتے ہیں کہ یہ خدا کا محبوب ہے اور زمین پر اس کے تذکرے ہوتے ہیں کہ وہ ہر کام خدا کی مشیت کے مطابق کرتا ہے اور دنیا میں اس

کے لیے منشا ایزدی کی رہنمائی ہوتی ہے۔"

تیسری چیز آپ نے فرمائی۔

"زیادہ خاموش رہا کرو۔ کیونکہ اس سے آدمی لایعنی اور فضول باتوں سے بچتا ہے جن کا نتیجہ سوائے نامۂ اعمال کی سیاہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔"

ایک حدیث میں آتا ہے۔

من صمت سلم و من سلم دخل الجنة او کما قال

"جو خاموش رہا سلامتی پا گیا اور جو سلامتی پا گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"

یہ بات جہاں دین کے لیے مفید ہے وہاں اس کا دنیا سے بھی بہت گہرا ربط ہے۔ جیسا کہ عربی کی ایک مثل ہے۔ قلما سلم مکثار زیادہ باتیں کرنے والے کی عزت کم ہی محفوظ رہا کرتی ہے۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی اس کے منہ سے ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے اور پھر وہ انتقام سے اپنی تکلیف کے ازالہ کی کوشش کرتا ہے اور جو بات ہی نہ کرے گا اس سے کسی کو گزند نہ پہنچے گی۔ اسی بات کے پیش نظر رسول مدنی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

اس حدیث میں ایک لطیف نکتہ ہے کہ آپ نے زبان کو ہاتھ پر مقدم رکھا۔ اس لیے کہ زبان چلنے میں تیز ہوتی ہے اور اسے حرکت دینے میں کوئی تکلیف نہیں اٹھانا پڑتی نیز اس کا زخم زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ؎

جراحات السنان لہا التیام

ولا یلتام ما جرح اللسان

"نیزوں اور تیروں کے زخم تو مٹ جاتے ہیں لیکن زبان کے چرکے کبھی نہیں مٹتے۔"

اور اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ:

"تم مجھے دو باتوں کی ضمانت دے دو۔ میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں اور وہ دو باتیں ہیں۔ زبان و شرمگاہ۔"

قرآن حکیم میں بھی اس کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ○

کوئی بات منہ سے نہیں نکلتی مگر نوٹ کر لی جاتی ہے۔

آپ نے اس وصیت میں دینی اور دنیاوی دونوں امور میں سلامتی کا راستہ بتلایا کہ خاموش رہا کرو اس سے شیطان دور ہوتا ہے اور آدمی فضول باتوں میں پڑ کر دین سے بے گانہ نہیں ہوتا۔

چوتھی بات آپ نے فرمائی کہ:

"کم ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرے کا نور ختم ہو جاتا ہے"۔

پانچویں بات آپ نے فرمائی۔ جس کا معاشرہ سے اور دنیا سے تعلق ہے کہ:

"....... اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو"

اس سے معاشرے میں برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے اور فاجروں اور فاسقوں کے دل لرزتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ زندہ رہتا ہے۔ یہ ایسی اہم چیز ہے جس پر اسلامی سماج قانون اور معاشرہ کی بنیاد ہے کہ حق کہو چاہے کسی کو برا لگے۔

———— اگر حاکم وقت خلافِ شرع اور خلافِ اسلام حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے بتلاؤ کہ اس میں خدا کی ناراضگی ہے۔ اگر کوئی بڑا رہنما ایسی حرکت کرتا ہے تو اس کے منہ پر اس کی تردید کرو اگر پانچویں وصیت اس سے ملا دیں تو پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت حق کہنے میں حائل نہیں ہونی چاہیے بلکہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اس فریضہ کی ادائیگی کرنی چاہیے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ　　(تو اس بات کو کہہ دے جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے۔)

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر

بہترین جہاد تو تلوار کی چھاؤں میں کلمۂ حق کا نام ہے۔

اور جب تک یہ آواز بلند رہتی ہے۔ بے شمار گناہوں اور مصیبتوں کے باوجود اصلاح کی امید باقی رہتی ہے اور جب یہ آواز بھی خاموش ہو جاتی ہے تو پھر عذاب الٰہی میں تاخیر نہیں ہوا کرتی اور

پھر یہی کہا جاتا ہے۔ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ۔

قرآن حکیم میں مومنوں کے اوصاف میں سے ایک یہ بھی وصف بیان کیا گیا

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وہ حق کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فلیکرہ فی قلبہ وھذا اضعف الایمان او کما قال

"اگر تم برائی دیکھو تو اسے ہاتھ سے روکو، وگرنہ زبان سے اس کے خلاف اعلان جنگ کرو اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر دل سے برا سمجھو اور فرمایا یہ کمزور ترین ایمان ہے"

یہی وجہ ہے کہ اس حق کی خاطر بڑے بڑے ائمہ اور محدثین نے بے شمار مصائب کو جھیلا، جیلوں میں ٹھونسے گئے، کوڑوں سے ان کو پیٹا گیا حتیٰ کہ بعض نے اپنی جانوں کو بھی تلواروں کی دھاروں پہ پیش کر دیا۔ لیکن کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ آئے۔

یہ ایک مستقل داستان ہے۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکیمانہ انداز میں ـــــ ابوذر غفاریؓ کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ حق کہنا اگرچہ وہ لوگوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

چھٹی وصیت فرمائی اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی بھی ملامت سے نہ ڈرنا۔ ساتویں اور آخری وصیت آپ نے یہ فرمائی کہ:

"تم لوگوں کو اس بات پر ملامت مت کرو جو بات خود تمہارے اندر ہو"

یہ وصیت بھی آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا سے بھی متعلق ہے کہ آدمی کو کسی پر عیب جوئی کرنے سے پہلے خود اپنے عیوب پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اگر خود اس میں یہ عیب موجود ہوں تو ان کی اصلاح کی کوشش کرے اور پھر دوسرے کو نصیحت کرے۔ قرآن پاک میں بھی رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○

"مومنو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔ خدا کے نزدیک بہت بڑی

ناراضگی ہے اس بات پر کہ تم وہ کچھ کہو جو خود نہیں کرتے "
بنی اسرائیل پر عذاب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے بڑے، لوگوں کو بری عادتوں سے روکتے اور خود ان سے اپنے اندر ہی جو برائیاں ہوتیں ان پر کوئی توجہ نہ دیتے۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" لوگوں کو ایسی باتوں سے نہ روکو جن پر خود عمل پیرا ہو "

اس کا معنی یہ نہیں کہ خود اگر برائی کرتے ہو تو دوسرے بھی برائی کرتے رہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے عیوب پر نظر رکھو۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

من ابصر عیوب نفسہ عمی عن عیوب غیرہ

"جس نے اپنے عیوب پر نظر رکھی وہ دوسرے کے عیوب سے اندھا ہوگیا "

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیتیں اس لحاظ سے ساری دنیا میں بے نظیر و بے مثال ہیں کہ ان میں عالمگیری کی تمام اعلیٰ وارفع صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں اور ان میں پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کا سامان موجود ہے اور عام حکماء و فلاسفہ سے ہٹ کر ان میں یہ امتیاز بھی ہے کہ یہ خدا کے اس برگزیدہ و بزرگ بندے کی زبان اقدس سے ادا ہوئی ہیں جن کے متعلق رب العالمین کا یہ ارشاد ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق نہیں بولتے بلکہ:۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چنانچہ سنن بیہقی اور مسند حاکم میں منقول ہے کہ حضرت اسود بن اخرمؓ فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

هل تملك لسانك ؛ قلت فما ؛ ملك اذا لم ا ملك لسانی
قال فهل تملك يدك قلت فما ا ملك اذا لم ا ملك يدی

قال فلا تقل بلسانك الا معروفا ولا تبسط يدك الا الى خير

اخرجه الحاكم والبيهقي واللفظ له

"کیا تم اپنی زبان کے مالک ہو۔ حضرت اسودؓ نے کہا کہ اگر میں اپنی زبان کا بھی مالک نہ ہوا تو پھر اور کس چیز کا مالک ہوں گا۔ آپؐ نے فرمایا اور تمہارے ہاتھ بھی تمہارے اختیار میں ہیں؟ اسودؓ نے کہا اور اگر میرے ہاتھ بھی میرے اختیار میں نہ ہوئے تو پھر اور کیا ہوگا؟ آپؐ نے یہ جواب سنا تو فرمایا۔ تو پھر اپنی زبان کو نیکی کے علاوہ مت استعمال کرو اور ہاتھ کو بھلائی کے علاوہ مت بڑھاؤ"

دنیا کے چوٹی کے اکابر کے ملفوظات کو جمع کیجئے اور اس مختصر وصیت سے ان کا موازنہ کیجئے، سب ہیچ نظر آئیں گے۔ وہ لوگ جو اسلام پر یہ طعنہ زنی کرتے ہیں کہ اسلام سماجی سے زیادہ روحانی مذہب ہے۔ ان کو بھی دعوتِ فکر ہے کہ وہ دنیا کے بڑے بڑے مفکروں اور ازموں کے بانیوں کے اقوال وافکار کو دیکھیں اور دوسری طرف آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان کیئے ہوئے جواہر ریزوں پر بھی نظر دوڑائیں۔ جس قدر سماجی اقدار اور معاشرتی اخلاق پر آنحضرتؐ کے ہاں پختگی و بلندی ملے گی۔ اس قدر کسی دوسرے کے ہاں نہیں۔ آپ دنیا کے ننانوے فی صد جھگڑوں میں دو چیزوں کا انتہائی زیادہ دخل محسوس کریں گے۔ ایک ہاتھ اور دوسری زبان۔ آپؐ نے ان دونوں پر بند باندھ دیا ہے کہ جب زبان نیکی کے علاوہ کچھ بولے گی ہی نہیں اور ہاتھ بھلائی کے علاوہ بڑھے ہی گا نہیں تو فتنہ و فساد کہاں سے آئے گا اور اختلاف و انشقاق کے دروازے کہاں سے کھلیں گے۔

اور پھر ایک دوسری وصیت میں ان محرکات وعوامل پر بھی نظر ڈالی کہ زبان درازی اور دست درازی کے اسباب کیا ہیں اور ان کا قلع قمع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:۔

يا رسول الله اوصني واوجز! فقال عليك بالياس مما في ايدي الناس واياك والطمع فانه فقر حاضر واياك وما يعتذر منه

اللہ کے رسول مجھے مختصر سی وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس چیز سے ناامید

ہو جاؤ۔ جو لوگوں کے پاس ہے اور لالچ سے بچو کیونکہ یہ حاضر تنگ دستی ہے اور اس سے گریز کرو جس سے بعد میں معذرت کرنا پڑے۔"

کیا کوئی بھی عقل مند آدمی اس سے اختلاف کر سکتا ہے۔ اگر اس طرح کا معاشرہ پیدا ہو جائے تو وہ انتہائی مثالی اور امن و سکون کا معاشرہ ہوگا کہ جس میں نہ تو کسی حاسد کے حسد کا خوف ہو اور نہ کسی چور کی چوری کا۔ حسد اور چوری کسی بھی معاشرہ کو تباہ کرنے کے لیے کافی موثر ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس سے ہر وقت سکون اور راحت کے درہم برہم ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ حسد اور لالچ زبان درازی اور دست درازی کو جنم دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کی ذات اقدس سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ انسانی مادوں میں سے ایک اور مادہ بھی ہے جو اس کے لیے فساد کا موجب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی بھی بیخ کنی کر دی۔

ابو ہریرہؓ راوی ہیں:

ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصنی قال: لا تغضب یا معاویة۔ ان الغضب یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل اخرجه الحاکم والترمذی فی نوادر الاصول والبیہقی۔

"ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے وصیت فرمائیں آپ نے فرمایا، معاویہؓ (سائل کا نام ہے) غضب سے بچو۔ یہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کڑوی چیز شہد کو۔"

اس وصیت میں انتہائی حکیمانہ انداز سے بشریت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا کہ انسان بہت جلد غضب ناک ہو جاتا ہے اور ایسی باتیں کہہ جاتا ہے کہ جنہیں نہ تو شریعت روا رکھتی ہے اور نہ ہی اخلاق، اور اس سے ایسی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جن پر بسا اوقات ساری عمر ندامت رہتی ہے لیکن پھر وہ ندامت کام نہیں دیتی۔

صحیح ابن حبان اور طبرانی میں بھی ایک روایت آئی ہے جس میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو ذر غفاریؓ کو متعدد باتوں کی وصیت فرمائی۔ خود ابو ذرؓ راوی ہیں۔

قال: اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بخصال من الخیر، اوصانی ان لا انظر الی من ھو فوقی و ان انظر الی من ھو دونی ـــــــــــ و اوصانی بحب المساکین و الدنو منھم و اوصانی ان لا اخاف فی اللہ لومۃ لائم و اوصانی ان اقول الحق ولو علی نفسہ وان کان مرا و اوصانی ان اکثر من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ فانھا کنز من کنوز الجنۃ اخرجہ الطبرانی وابن حبان و اللفظ لہ

فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نیک خصلتوں کی وصیت فرمائی۔ فرمایا:-

"میں اپنے سے بلندتر کی طرف نہ دیکھوں بلکہ اس کی طرف دیکھوں جو مجھ سے کمتر ہے"۔

اور فرمایا:-

"مسکینوں سے محبت کروں اور ان کے قریب رہوں"

اور وصیت کی:-

"صلہ رحمی کروں۔ اگرچہ یہ رشتہ دار دور ہی کے کیوں نہ ہو" ۔

نیز ارشاد ہوا:-

"حق بات کہوں اگرچہ اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ اور اگرچہ کڑوی ہی ہو"۔

اور آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ:-

لا حول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھوں۔ کیوں کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

ان میں سے ھر ایک فقرہ اپنے اندر بے پناہ معانی اور حکمتیں لیے ھوئے ہے۔